

سلسلہ مطبوعات

بِلْهَرْ

از

جناب نعیم صدیقی

خاتم عبد الحمید صدیقی

۱۱۸

بی۔ دون ایک ریا کراچی
لیاقت آباد

مکتبہ معاویہ

خندوں جہانیاں جہاں گشت

مؤلفہ۔ ۱۔ محمد ایوب قادری۔ ایکم اے

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور صوفی بزرگ مخدوم چہانیاں جہاں گشت سعید وردی
سلسلہ کے ایک اجل شیخ تھے وہ حضرت رکن الدین ابوالفتح ملتانی کے فرید خبلدنہ تھے اور پیشی
سلسلہ میں حضرت نصیر الدین چرا غ دہلی سے اجازت و خلافت لے کئے تھے۔ حضرت مخدوم
رشد وحدایت کے علاوہ ظاہری علوم میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ مغربی
پاکستان میں مخدوم صاحب اور ان کے خاندان کے ذریعہ سلام کی خوب نشر و اشاعت ہوئی
حضرت مخدوم چہانیاں جہاں گشت کے حالات بہایت تحقیقی اور محنت سے
جناب محمد ایوب قادری بنے لکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ٹہری حد تک ہم عصر مأخذ خاص
طور سے مخدوم صاحب کے متفوہات کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور اس سلسلہ میں اوری
صاحب نے علیگڑھ، رامپور، ملتان، ہبھاولپور، اوچھا سفر کیا ہے۔

کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے نامور علماء اور بار اور موقر رسائل درج رکھنے
اُس کتاب پر گرانقدر آراء کا اظہار کیا ہے۔ قیمت سات روپے میں م Giulio

صلیحہ کا پیشہ۔ دارالکتب جامع مسجد ریڈی ایرویلیاٹس آباد کراچی

مارشل لاکے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ گھنٹن کی اس فضائیں ملک کی غنیمہ
اکثریت کا ایک نمائندہ اجتماع بڑی کامیابی کے ساتھ شہر لاہور میں منعقد ہوا
اور اس میں بڑے عوروفکر کے بعد قومی جدوجہد کے مقاصد اور خطوط متعین کئے
گئے۔ جن حضرات نے اس اجتماع کی کارروائیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور
کالزوں سے سنا ہے وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ پاییے متضاد
خیال اور بے فکرے لوگوں کی بھیڑ نہ تھی جن کا دائرة عمل نشستند و گفتند و برخانند
یہ محدود ہو، بلکہ یہ ملت کے ایسے درودمندوں کی مجلس تھی جو ملک کی موجودہ
صورت حال کو بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح کے لئے
ہوشمندی، محفوظیت اور حراثت کے ساتھ جدوجہد کرنے کا عزم اور حوصلہ بھی رکھتے ہیں

ملک و ملت کے بھی خواہوں نے کس قسم کی فضا اور کس ماحل میں اس
جلے کے انعقاد کا فیصلہ کیا اس کا اندازہ صوبائی وزیر قانون و اطلاعات کے
ایک بیان سے لگایا جاسکتا ہے۔

”اس کا نفرنس میں تقاریر کی گئیں اور پھر انہیں سائیکلوسائیل
کر کے تقسیم بھی کیا گیا مگر حکومت نے اس میں کوئی رکاوٹ
پیدا نہیں کی۔ حکومت آسانی سے ان تقاریر پر پا بندی
عائد کر سکتی تھی۔ حکومت کا نفرنس کے انعقاد کو بھی روک
سکتی تھی۔ اس کا نفرنس کے تنظیم کو بھی نظر بند کر سکتی تھی۔
ایسا حطرناک لڑی پر تیار کرنے والوں کو گرفتار کر کے ان کے
خلاف مقدمہ چلا سکتی تھی۔ لیکن حکومت نے ایسا کوئی قدم
نہ اٹھایا بلکہ انہیں اجتماع اور اظہار خیال کی مکمل آزادی دیدی
ان تقاریر سے قانون کی کم از کم ایک درج درجات کی خلاف
وزدی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہنگامی قانون بھی موجود ہے۔
اگر حکومت قانون کو حرکت میں لاتی تو حزب اختلاف کئی
سائلوں تک اپنے فائدہ نہیں کی خدمات سے محروم ہو جاتی۔
مگر حکومت نے اپنا ہاتھ روک کے رکھا۔

الواہ وقت مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۷۶ء

ان نادر خیالات کو بار بار پڑھئے اور یہ حقیقت ذہن نشین رکھ کر پڑھئے کہ یہ
باتیں حکومت کا کوئی عام کارنڈہ نہیں کر رہا بلکہ ان کا اظہار صوبے کا وزیر پابند بیڑ
جمهوریت اور آزادی کے اس دور میں کسی بھی مجلس میں نہیں بلکہ ایک اخباری پیان میں
کر رہا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ وزیر صاحب بھی کسی دوسرے شے

کے نہیں، بلکہ اس شجعے کے ہیں جس پر عوام کے حقوق و فرائض کے تعین اور
شہری آزادیوں کے تحفظ کی براہ راست ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان خیالات
میں وہ ذہنیت صاف طور پر جھلکتی ہے جس کے ساتھ اس وقت پاکستانی
عوام پر حکومت کی جا رہی ہے۔ اس بیان کا ایک ایک لفظ اس بات کی
شہادت دے رہا ہے کہ اس ملک کے بینے والوں کے کوئی شہری اور انسانی
حقوق نہیں۔ وہ بچارے اس سر زمین میں رہتے ہوئے سرے سے اس بات کا
کوئی حق ہی نہیں رکھتے کہ اپنا مانی الفہمیہ کسی دوسرے شخص کے سامنے بیان کر سکیں
یا اپنے داعنے دل کسی دوسرے فرد کو دکھا سکیں۔ انھیں اگر اپنی عافیت
مطلوب ہے تو ان کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ملک کے معاملات کے
بارے میں گونگے، بھرے اور اندر سے بن کر رہیں۔ اگر ان کا دل حکومت کے کسی
طرز عمل سے غیر مطمئن ہے تو انھیں اسے بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اگر سرکار
کی کوئی روشن انھیں مضطرب اور پریشان کرتی ہے تو انھیں اس کی طرف
سے آنکھیں بند کر کے زندہ رہنے کی مشق کرنا چاہیے اور اگر اصحابِ اقتدار
کی کوئی بات انھیں ناگوار گرتی ہے تو انھیں اسے سننے سے پر ہیز کرنا چاہیے
حکومت کے نزدیک عوام کے لئے یہی روشن پسندیدہ اور معقول ہے اور اگر وہ
اس روشن کو ترک کر کے کسی اہم سے اہم قومی مسئلے پر نہایت محتاط انداز میں بھی
حکومت سے اختلاف کرتے ہیں، یا اس کے طرز عمل پر گرفت کرتے ہیں تو یہ
آن کی بے جا جیارت ہے جس پر وہ ہر قسم کی سزا کے مستوجب ہیں اور حکومت
اگر انھیں اس کی قرار واقعی سزا نہیں دیتی ہے تو یہ محض اُس کی فیاضی ہے

کہ دو ایسے "محبموں" سے صرف نظر کر دی ہے۔ وہ حیثیت شہری حکومت سے اختلاف کرنے اور پھر اسے تحریر دا کے ذریعہ بیان کرنے کا کوئی حق ہی نہیں رکھتے۔ وزیر صاحب نے قومی کائفنس کے تنظیم پر حکومت کے بے پایا حسانت اور اس کی نیا صنیوں کا ذکر کرتے ہوئے صاف طور پر عوام کو بتا یا ہے کہ انھیں اپنی قدر و عافیت اچھی طرح معلوم ہوئی چاہئے۔ اگر حکومت چاہتی تو مقرر ہیں کو تقریر کرنے سے بہ آسانی باز رکھ سکتی تھی، اس کائفنس کے انعقاد کو روک سکتی تھی اور ایسی ناپاک جسارت کرنے والوں کو جیلوں میں ٹھولن سکتی تھی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس قسم کا کوئی اقدام کرتے ہوئے وہ کسی غیر ایمنی حرکت کا ارتکاب نہ کرتی بلکہ یہ ساری کرم فرمائیاں آئین کی حدود کے اندر رہتے ہوئے دستور کے عین نہشاد مرضی کے مطابق ہوتیں۔ کیونکہ موجودہ اقتدار نے ملک کو جس آئین سے سرفراز فرمایا ہے وہ اتنا ہمہ گیر اور شہری آزادیوں کے معاملے میں اتنا حس سے کہ اس میں حکومت اگر خود اختلاف رائے کی کسی آواز کو اڑا کر سننا گوارا کرے تو یہ عین اس کا احسان ہے ورنہ دستور اور آئین کی رو سے حکومت کے خلاف زبان کھولنے والوں کو ہر قسم کی سزا دی جا سکتی ہے۔ اس دستور میں شہروں کو اپنی رائے کے اظہار کی لکھنی آزادی ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے وزیر صاحب کے ارشادات عالیہ سے کافی حد تک رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔

آپ خود غور فرمائیں کہ ملک کی قریب قریب ساری سیاسی جماعتیں ملکی مسائل پر غور و فکر کے لئے ایک کائفنس منعقد کرنے کا فیصلہ کرتی ہیں اور

اس غرض کے لئے حکومت سے ایک پبلک پارک کے استعمال کی اجازت طلب کرتی ہیں۔ مگر انہیں اجازت نہیں ملتی۔ وہ پھر شہر سے دور ایک معزز شخصیت کے دولت کدرے پر جمع ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں۔ اس اجتماع کی دعویٰ کسی جلسہ عام کی نہ تھی بلکہ یہ آٹھ سوایے منتخب افراد کا اجتماع تھا جنہیں اپنے اپنے علاقوں میں نمائندہ حیثیت حاصل ہے۔ پھر یہ حضرات ٹہرونگ چالانے اور عوام کے خوبیات کو مشتعل کرنے کے لئے جمع نہ ہوئے تھے بلکہ قوم کے اندر افسوس کی اور سرایلگی کی جو کیفیت طاری تھی اور جس کے متعلق اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ کوئی خطرناک صورت اختیار کر سکتی ہے ۱۰ سے مناسب راتے پڑوانے اور قوم کو کسی تعمیری راہ پر لگانے کے لئے آپس میں سر جوڑ کر ٹھیک ہتھ طاہریات ہے کہ اس قسم کے منتخب اجتماع میں بے ہنگم باتیں تو نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ اس کا نظر لنس میں بالحوم جو تقریباً ۱۰ میں وہ کافی حد تک متوازن اور معقول تھیں اور ان میں خوبیات کو برائیگیختہ کرنے کے بجائے انہیں صحیح رُنخ پر لگانے کے لئے غور و فکر کیا گیا۔ ان تقاریب کے بارے میں وزیر صاحب ہجیلہ شاذ ہے کہ ان سے فالون کی کم از کم ایک درجن ذمادات کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ یہ ہے اس ملک میں اجتماع اور اظہارِ خیال کی مکمل آزادی کی اصل حقیقت جس کا تذکرہ جناب وزیر فالون صاحب نے بڑے فخر یہ انداز میں فرمایا ہے۔

ہم اس ملک کے بھی خواہوں اور خاص طور پر بیاں کے دین پسند

حضرات سے موہبائیہ گزارش کرتے ہیں کہ خدا را اس صورتِ حال پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ ملک کس طرف جا رہا ہے۔ آپ کو اگر کسی فرد سے کسی گروہ یا کسی پارٹی یا جماعت سے اختلاف ہے تو اُسے ضرور رکھئے۔ اگر آپ ان میں سے کسی کے طرزِ فکر یا طرزِ عمل سے مطمئن نہیں ہیں تو اس کا برملا اظہار کیجئے اور ان کی علیئیوں کو ان پر واضع کیجئے۔ دس کروڑ انسانوں کے فکر و عمل کے اندر اختلافات کے کئی پہلو نظاہر ہو سکتے ہیں۔ یہ اختلاف اگر نیک میتی پر بنی ہے تو کسی اعتبار سے بھی تشویش ناک نہیں۔ لیکن یہ ملک آہستہ آہستہ جس رُخ پر جا رہا ہے اور اس ملت کے مزاج میں جو غیر معمولی تبدیلی لا تی جا رہی ہے وہ انتہائی اندوہناک ہے۔ ایک مختصر سی اقلیت نے ملک پر اس طرزِ حق سے قبضہ کر رکھا ہے کہ وہ جس طرح چاہتی ہے لوگوں کے چند بات سے کھیلتی ہے اور کسی کو اس کے خلاف لب کشانی کی جگات نہیں ہو سکتی۔ وہ جب چاہتی ہے اپنے حسبِ مشا آرڈنیننس نافذ کر دیتی ہے۔ ان آرڈنیننسوں نے شہری آبادی پر عرصہ حیات اس قدر تنگ کر دیا ہے کہ وہ بے چاری اپنی اس مصیبت کو بھی بیان نہیں کر سکتی۔ اگر کبھی وہ اس کی جسارت کر دیجئے ہے تو اُسے ہر قسم کے جبر و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

آپ اگر پاکستان بلکہ پوری دنیا سے اسلام کے حالات پر غور کروں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس وقت آزادی رائے کا مسئلہ اس کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ جب ایک مختصر سی اقلیت پولیس اور فوج کی مدد سے اپنے آپ کو عوام پر مسلط کرتی ہے تو پھر وہ اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ساری وہ تباہی

اختیار کرتی ہے جس سے عوام فکری اعتبار سے مفلوج رہیں اور ان کے اندر کوئی اجتماعی شعور پیدا نہ ہو سکے۔ اس غرض کے لئے سب سے پہلے لوگوں کو مہربب کیا جاتا ہے اور ان کے قلموں پر پھرے بٹھاتے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنے مصائب کو کسی کے سامنے بیان نہ کر سکیں اور اس طرح تکلیفات کو دور کرنے کے لئے کوئی تحریک منظم نہ کی جاسکے۔ پھر لوگوں کو آہنی گرفت میں رکھنے کے لئے پوری سرکاری مشینیری کو کام میں لا یا جاتا ہے اور سرکاری حکام اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے بجائے اپنی بیشتر صلاحیتیں عوام پر بر سر اقتدار طبقے کی گرفت مضبوط کرنے کے لئے صرف کرتے ہیں۔ اس سے ملک کا نظام و نسبت تباہ ہوتا ہے اور شہریوں کے اندر اتنا خوف و ہراس پھیل جاتا ہے کہ وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اگر انھیں اس ملک میں اپنی جان و مال کی خیر مطلوب ہے یا انھیں پی زندگی عزیز ہے تو انھیں حکومت کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ اگر وہ ان سے بہم ہو جائے تو وہ ہر قسم کی مراعات سے محروم ہو جائیں گے۔ اگر وہ تاجر ہیں تو ان کے لائنس منسوخ ہوں گے؛ اگر وہ ملازم ہیں تو انھیں ملازمت سے بر طرف کر دیا جائے گا، اگر وہ سیاسی کارکن ہیں تو ان پر جھوٹے مقدمے قائم کے جائیں گے اور اس طرح زندگی اپنی ساری وعتوں کے باوجود نہ صرف ان پر تنگ ہو جائے گی بلکہ ان کے لواحقین اور ان کے عزیز واقارب کے لئے بھی عذاب بن جائے گی۔

اس دور میں جب کہ ریاست کا دائرہ عمل بے حد ہمہ گیر ہے اور زندگی

کے سارے گوشوں پر پوری طرح محیط ہے ایک انسان کہاں تک حکومت کی گرفت سے آزاد ہو سکتا ہے۔ وہ بے چارا نہ را روں بندھنوں میں بندھا ہوا ہوتا ہے اور ہر قدم پر یہ محسوس کرتا ہے کہ روئی^۱ کے ایک ایک نقطے کے لئے وہ حکومت کا دست نگرا اور محتاج ہے۔ دور عاضر کی ریاست کا دائرہ کار صرف نظم و لسٹن یا لوگوں کے جان و مال کی حفاظت تک محدود نہیں بلکہ یہ ایسا منظم، ہمہ گیر اور مخصوص ادارہ ہے جو براہ راست نہ صرف شہروں کے فکر و نظر کی تربیت کرتا ہے بلکہ ان کے ذوق، ان کے طرز عمل، ان کی عیرت کو اپنے دل پنڈدھا پخوں میں ڈھالتا ہے۔ نظام تعلیم پر اس کا قبضہ ہے۔ نشر و اشاعت کے سارے ادارے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ رزق کی کنجیاں اس کے قبضے میں ہیں۔ ملک کی پوری معیشت پر اس کا تحریف ہے۔ اس غیر معمولی اختیار رکھنے والے ادارے نے جو پوری زندگی پر محیط ہے، حیات انسانی کے مختلف گوشوں کو از خود بُری طرح سمجھ رکھا ہے اور انسان آمریت کے تسلط کے بغیر یا یہ احساس رکھتا ہے کہ اس کی زندگی کو کسی بہت بڑی طاقت نے بے لبس بنایا رکھ دیا ہے۔ اگر اسے آزادی بھی حاصل ہو تو پھر بھی وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے خیالات کے انہار کے جو ذرائع رکھتا ہے وہ حکومت کے وسائل کے مقابلے میں بالکل خیر اور بے اثر ہیں۔

اس قدر غیر معمولی طاقت اور اثر رکھنے والی ریاست پر اگر ایک فرد یا چند افراد قبضہ کر لیں اور اس کی قوت کو آمانہ انداز میں استعمال کرنا شروع کر دیں تو عوام کی بے نی اور ان کی مظلومیت کا کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

یوں تو سارے مشرقی ممالک کو یہی روگ کھائے جا رہا ہے، لیکن
 خاص طور پر مسلم ممالک میں اس مرض نے بڑی تشویش ناک صورت اختیار
 کر لی ہے۔ ان ملکوں کے عوام جن افراد و نظریات کے علم بردار ہیں وہ ان
 کا آزادانہ پر چار نہیں کر سکتے۔ ایک زبردست قوت اپنے وسیع اختیارات
 سے کام لے کر مسلمانوں کے دل و دماغ میں ایسے خیالات ٹھوٹنی ہے اور
 ایسے تہذیبی اثرات ان کی زندگی میں داخل کرتی ہے جنہیں ان کی عظیم اکثریت
 انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس صورت حال سے پر لیشان بہو کر اگر وہ
 اپنے اضطراب کا اظہار کرتے ہیں تو وہ اس کے لئے سارے راستے مسدود پاتی ہے۔
 اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آہستہ آہستہ مضمضہ ہو کر اپنی قوت و توانائی کھوتی جا رہی ہے۔
 ریاست کو حود وسیع اختیارات حاصل ہو گئے ہیں وہ ضعیتی دور کی ناگزیر برائیاں ہیں
 جنہیں دور کرنے کے لئے غیر معمولی قوت و طاقت اور دنیا کے معاملات میں بالادستی
 درکار ہے۔ یہ الی چیز ہے جس کی توقع دور حاضر کے مسلمانوں سے ان کی موجودہ
 صورت حال کو دیکھتے ہوئے نہیں کی جاسکتی۔ وقت کے دھارے کو بدلتے گئے لئے
 یہ ضروری ہے کہ مسلمان سب سے پہلے پوری دنیا سے اپنی فکری قیادت تسلیم کروائیں
 اور پھر جہاں جہاں انہیں اپنا نظام زندگی تشكیل کرنے کی آزادی ہے وہاں وہ
 عمل لے یہ ثابت گر دیں کہ مغربی افکار اور مغربی طرزِ فکر کے مقابلے میں جوانکار اور طرز
 عمل وہ پیش کر رہے ہیں وہ ہر جا طے سے بہتر اور النہایت کی فلاح و بہبود کے
 صاف من ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ دینِ حق کے علم بردار
 اہل مغرب کی ذہنی اور سیاسی غلامی سے یکسر آزاد ہوں اور انہیں اپنے دین پر

غیر مترکز اعتماد ہوا اور وہ اس دین حق کو دوسرے ادیان پر غالب کرنے کا غیر معمولی عزم رکھتے ہوئے۔ اس بلند و بالامقصود کی ابتدا ہر مسلم ملک میں اسی طرح کی جاسکتی ہے کہ وہاں کے عوام کو اس بات کا حق دے دیا جائے کہ وہ اپنے اجتماعی شعور کی اچھی طرح تربیت کر کے اپنے ہاں اُس قیادت کو اُبھار سکیں جو ان کے عزائم اور امکنگوں کی ترجیح ہو۔

یہ ہے وہ نقطہ آغاز جہاں مسلم قوم کی قوتیں کو آپس کی سرچھوٹوں میں خلاص کرنے کے بجائے انھیں کسی تعمیری کام پر لگایا جاسکتا ہے۔ اس آغاز کا سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں اظہار راستے کی زیادہ سے زیادہ آزادی ہو تاکہ مسلمانوں کے ذہن مفلونج اور اُن کے ضمیر مُردہ ہونے کے بجائے اُن میں توانائی پیدا ہو اور وہ بھلے اور بُرے کے درمیان تمیز کر کے بھلائی کے فروع اور بُراقی کے خاتمے کے لئے فضایا ہموار کر سکیں۔ اس سے زیادہ کسی قوم کی کیا بدپی ہو سکتی ہے کہ اُس کی اپنی دولت اور قوت کا بیشتر حصہ خود اُس سے باوجود بنانے میں صرف کیا جائے۔ تو میں محض کارخانوں، پلوں اور اپنی اپنی عمارت کی تعمیر سے نہیں بنتیں بلکہ زندگی کی حرارت اور لوگوں سے بنتی ہیں۔ یہ حرارت اور لوگوں قوم کے جذبات کو دبانے اور اُس کے ضمیر کو مُردہ کرنے سے قائم نہیں رہتا بلکہ اپنی قوت و طاقت کا صحیح احساس اور اُس سے تعمیری راہ پر لگانے کا جذبہ اس کے حفظ و بقا کا ضامن ہے۔ آج مسلم ممالک میں کیا ہو رہا ہے؟ اپنے بھائی بندہ ہی اتنا کے نشے میں اپنے بھائیوں کا گلا گھوٹنے میں مصروف ہیں۔ مصر میں اخوان المسلمون

جیں فعال اسلامی تحریک کو جس طرح ظلم و ستم کا تختہ رہشت بنایا جا رہا ہے وہ دنیا یے اسلام کا ایک ایسا عظیم حادثہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کو ٹھنڈے دل کے ساتھ غور دنکر کرنا چاہئے اور انھیں سوچنا چاہئے کہ آخر یہ یقشیشناک صورتِ حال کن اسباب کا فطری نتیجہ ہے ۔

وقتی اور ہنگامی اسباب کے پس پردہ اگر جھانک کر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس حادثہ کی وجہ صرف ایک ہی ہے کہ مسلمانوں نے حالات کے رُخ کو چاننے میں سخت غلطی کی ہے۔ انھوں نے تاریخ سے کوئی سبق نہ لپا اور اس حقیقت کو جاننے میں غفلت کی کہ جب نیک اخدادرس اور مخلص افراد نے مملکتی اور سیاسی مسائل کو "امور دنیا" قرار دے کر ان سے کنارہ کشی اختیار کی اور صرف چند مذہبی رسماں کی پیردی کو ہی مقصدِ حیات فرار دے لیا تو قوت و طاقت کے سب سے بڑے سرچشمے یعنی ریاست پر ایسے لوگ قابلِ پیش ہو گئے جنھوں نے آہستہ آہستہ ایک منصوبے کئے تخت "بے ضر مذہبی رسماں کی دائیں" میک کو ان فہمن داروں کے لئے مشکل بنادیا۔ بر سر اقتدار گروہ نے ان حامیاں مذہب کی غفلت سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر ملک کے اندر مذہب سے انحراف کی ایک ایسی معاندانہ فضاقاً قائم کر دی جس میں یہ "خدا پرست" اپنے وطن اپنی قوم، اپنے معاشرے بلکہ خود اپنے خاندان میں اجنبی بن کر رہ گئے اور زندگی انھیں ایک ناقابل برداشت بوجھ محسوس ہونے لگی۔ ان کے اندر احساسِ کہتری پیدا ہو گیا اور وہ سوسائٹی میں ایک بالکل بے کار اور غیر موثر قوت

کی حیثیت سے جینے پر مجبور ہو گئے۔ جس طبقے کے لئے سالن لپنا دو بھر ہو جائے وہ ما حول پر کس طرح اثر انداز ہو سکتا ہے۔

یورپ میں آج جو الحاد اور بے دینی پھیلی ہوئی ہے وہ سب مذہب کے علم برداروں کی امور دنیا سے بے تعلقی کا براہ راست نتیجہ ہے۔ ان حضرات نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق ہے اور

لہ یہ مذہبی لوگ کس قدر کس میسری کی حالت میں، میں اس کا اندازہ کرنے کے لئے کوئی بہت زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں، صرف روزمرہ کے واقعات پر ایک نگاہ ڈالنے سے اس کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ میں یہاں صرف ایک واقعہ درج کرتا ہوں۔ ایک نہایت دین دار گھر لئے کے نوجوان نے رقص کی مشق کے لئے رقص گاہ میں ہاتھ اعدہ حاضری دینی شروع کی۔ اس کے دالد نے جوانپی ذات میں ٹڑے متفقی اور پرہیزگار ہیں، مجھ سے اس کا ذکر کیا اور بڑی مندرجہ کے ساتھ مجھ سے فرمایا کہ انھیں صاحبزادے کی اس حرکت سے سخت تکلیف ہوتی ہے اس میں اُسے کسی طرح اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کروں۔ میں نے اُسے بہت سمجھا یا مگر اس پر خاک اثر نہ ہوا۔ بالآخر میں نے اس کے جنبات سے اپیل کرتے ہوئے یہ کہا کہ تھیں اپنے والد صاحب پر تور حکم کھانا چاہیے اس پر انھما جبزادے نے بڑی بے مکلفی سے کہا۔

DADDY IS A FOOL IF HE MINDS SUCH ORDINARY THINGS

”ابا بے دقوف ہیں اگر وہ ایسی معنوی باتوں کو محسوس کرتے ہیں“

اس سے خود اندازہ لگا لیجئے کہ ما حول کے بدلت جانے سے انسان پر عرصہ حیات کس طرح نگہ ہو جاتا ہے۔

اس کا مقصد بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ یہ انسان کے نفس کو دنیادی آلاتشوں سے پاک کرے اس بنا پر خدا کے پرستاروں نے اور مذہب کے علم برداروں نے دنیا کو ایک ناپاک چیز سمجھ کر اس سے منہ موڑ لیا اور تمام امور دنیا کی زمام کا راستہ آہستہ آن لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی جو اول درجے کے عتیار، چالاک اور خائن تھے انہوں نے مذہب کے بجائے الحاد کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کا رہنمایا صول بنا کر معاشرے کی تعمیر کر دی۔ لامذہبیت کا طوفان ان "خدا پرستوں" کے گھروں سے ٹکرا بہتھا مگر ان غفلت کے ماروں کو کوئی خبر نہ تھی کہ ان کے مذہب کو کتنا شدید خطرہ لاحق ہے۔ الحاد نے پوری قوت کے ساتھ مذہب کو زندگی کے ہر میدان میں پھیلانا شروع کیا اور مذہبی طبقوں نے اس کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے بجائے قدم پر اس کے ساتھ مصالحت کی۔ ہرگام پر اپنی شکست کو تسلیم اور خود اس کے لئے میدان خالی کر دیا تاکہ وہ آزادی کے ساتھ من مانی کا رواہیاں کرتا رہے۔

اس کے دونتائی سچ برا آمد ہوئے۔ ایک یہ کہ الحاد کا دائرہ مسلسل پھیلتا رہا۔ اس نے سیاست پر سلط قائم کیا۔ اس نے معیشت کو اپنی آہنی گرفت میں لیا۔ اس نے معاشرت پر یلغار کی۔ اس نے نظام تعلیم میں پوری طرح سرایت کی۔ اس کے مقابلے میں مذہب کا دائرة برابر سکھتا چلا گیا۔ ہل مذہب نے سب سے پہلے سیاست کو دنیاداری کہہ کر اسے خیر بار کہا۔ پھر معیشت کو زندگی کا ایک ناپاک شعبہ سمجھ کر اس سے پہلو تھی کی۔ پھر معاشرت سے اپنے آپ کو بے دخل کیا۔ پسپا کا سلسلہ جب ایک تاریخی رہا تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ کفر

الحاد دنیا کی ایک موثر اور فیصلہ کن قوت بن کر رہا اور مذہب اس سے پورتی طرح مغلوب ہو گیا۔ پسپا ہوتے ہوئے کئی مقامات پر مذہب لے قدم جانے کی کوشش کی۔ لیکن الحاد نے اس کا کہیں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور خود اس کے بسب سے نہ برداشت حصار یعنی عبادت گاہوں تک میں اس کی کمر توڑ کر کھو دی وہ مذہب جو کبھی دنیا میں ایک انقلاب انگلیز تحریک کے طور پر اٹھا تھا اور جس نے زندگی کے سارے شعبوں کو خدا پرستی کی بنیاد پر تعمیر کیا تھا وہ مذہب پرسوں کی ایک بنیادی غلطی کی وجہ سے محض مخصوص قلبی دار دفات اور کیفیات کا نام بن کر رہا گیا۔

دوسری نتیجہ یہ ہوا کہ کفر کے ساتھ مصالحت کی پالیسی نے مذہب کا حلیمہ بھاڑک رکھ دیا۔ دو متصاد اور تن اقاض اشیاء کا اجتماع کبھی کوئی اچھے نتائج پیدا نہیں کتا۔ اس سے دولوں کی تخلیقی قوت میں صنائع ہو جاتی ہیں۔ پھر جب یہ اجتماع ایک حصی قوت رکھنے والے عناصر کے درمیان نہیں بلکہ غالب مغلوب عناصر کے درمیان ہو تو سارا نقصان مغلوب عنصر کو یہ پہنچتا ہے اور وہی اپنی شکل و صورت اپنی مہیت اپنا مزانج اور اپنی بنیادی خصوصیات کو غالب عنصر کے زیر اثر بدلنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مصالحت، بلکہ مذہب کی کفر کے ہاتھوں اس شکست کی وجہ سے اس میں اتنے تغیرات آئے کہ اسے کفر سے ممیز اور ممتاز کرنا مشکل ہو گیا اور اس طرح مغربی زندگی کی باگ ڈور عملًا کفر کے ہاتھ میں آگئی۔

آپ خود غور فرمائیں کہ آخر مذہب حصی بنیادی چیز جو ہوا اور پانی کی طرح انسان کی فطری ضرورت ہے وہ انسانی معانثرے میں کیوں اتنی بے اثر ہو کر کی

اور اس نے حیاتِ انسانی میں ایک موثر طاقت بننے کے بجائے کفر کے رحم و کرم پر کیوں زندہ رہنا گوارا کیا۔ اس کی وجہ صرف ایک ہی ہے کہ مذہب کے علم برداروں نے اجتماعی زندگی کی غیر معمولی قوت کو سمجھنے میں غلطی کی اور اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف انفرادی اصلاح پر سارا زور صرف کر دیا، اور جب کفر والحاد کا طوفان اٹھا تو اس نے پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اسی صورتِ حال سے اس وقت پوری دنیاَے اسلام دوچار ہے۔ غیر اسلامی طاقتوں پوری شدت کے ساتھ اسلام پر حملہ آور ہیں۔ انہوں نے ہریدن میں اسلامی اور وینی قوتلوں کی ناکہ بندی کر رکھی ہے اور انکھیں لگھیرے میں لے کر پورے زور کے ساتھ پیچھے دھکیل رہی ہیں۔ مگر مسلمان زعماء کی عظیم اکثریت اس خطرے کو قطعاً محسوس نہیں کرتی اور سادگی سے یہ سمجھ رہی ہے کہ تب تک اُسے سجدے کی آزادی حاصل ہے۔ اُس کے دین اور اس کے ایمان کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچنے کا سرے سے احتمال ہی نہیں۔ بلکہ جو لوگ انکھیں ان کی اس غفلت پر متنبہ گرتے ہیں اور خود اس یلغار کو اپنی تھوڑی سی قوت کے ساتھ روکنے کی کوشش کر رہے ہیں انکھیں "افتدار کے حریص" ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے اور ان کی سمجھ و جہد کو "دنیا پرستی" کہہ کر بڑی خمارت کے ساتھ ڈھکرایا جا رہا ہے۔ بلکہ بعض حالات میں آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکنے اور اسے ناکام بنانے کو بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر اس میں غیر معمولی سرگرمی دکھائی جاتی ہے اور اس مقصد کے لئے بعض ایسے طبقوں اور گروہوں کے طرز عمل کی پشت پناہی

کی جاتی ہے جو اسلام کو دنیا میں ایک بے وزن توت بنانے پر تسلی ہوتے ہیں۔

اسلام پر جس طرح عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے اُسے یہ مقدس حضرات خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ دینِ حق اپنے پیروں کی مکروری کی وجہ سے جس طرح آج مغلوب ہے۔ اس پر بھی کبھی ان کی آنکھیں پُر نہم بھی ہو جاتی ہیں وہ اس حقیقت کو بعض اوقات بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ باطل قول لئے انھیں پوری طرح اپنے نرغے میں لے رکھا ہے لیکن وہ اس طریقہ کار کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے جس کے تحت یہ سب کچھ بتدریج ہوا ہے رانھیں یہ غلط فہمی ہے کہ یہ صرف چند افراد کی ذاتی کوتا ہیوں اور لغزشوں کا نتیجہ ہے ورنہ اسلام کو کوئی حقیقی خطرہ لا حق نہیں۔ حالانکہ اصل صورت اس سے یہ مخالف ہے۔ یہ افراد اپنی کوئی ذاتی رائے نہیں رکھتے۔ ان میں کوئی اتنا ذہن اور فطیں بھی نہیں جو خود کوئی مژلوط نظام فکر و عمل پیش کر سکے اور اُسے کسی معاشرے میں کوئی فیصلہ کرنے قوت بنا سکے۔ ان لوگوں کی حیثیت منزیل نظام حیات کے کارندوں کی سی ہے جو اس کے تسلط اور برتری کو قائم کرنے کے درپے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے مسلم ممالک کے درائع وسائل وہاں کے عوام کی نشا اور مرضی کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ مغرب اس میدان میں بھی وہی چالیں چل رہا ہے جو وہ اپنے سیاسی حرلفوں کو زیر کرنے کے لئے چلتا ہے یعنی اپنے مخالف کی پوری طرح ناکہ بندی کر کے اس کے گرد بربادست گھیرا ڈال دیا جائے اور پھر اس گھیرے کو اس حد تک تنگ کر دیا جائے کہ دشمن کے لئے نجیز

مغلوب ہو کر جینے کے اور کوئی صورت باقی نہ رہے۔ چنانچہ دیکھئے کہ مغربی نظام حیات نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو کس بُری طرح اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے اور یہ گھیرا ایک زبردست اور مفہوم آہنی زنجیر بن کر انھیں کس شدت کے ساتھ اپنی جگہ بندیوں میں لے چکا ہے۔

مغرب جس طرح کا معاملہ مشرق اور خاص طور پر اسلامی ممالک کے ساتھ کرتا رہا ہے اور اس کے جو آئندہ عزائم ہیں انھیں چاندنے کے لئے عقل کی کوئی بہت زیادہ مقدار درکار نہیں۔ اس کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آزادی اور جمہوریت کی جس فضائیکا اہل مشرب اپنی اجتماعی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، مسلم ممالک کے معاملہ میں اسی کی پورے زور کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں اور یہاں بالواسطہ اور بلا واسطہ ان تولوں کی حمایت کرتے ہیں جو دنیا سے اسلام کو آزادی کی فضائیے محروم رکھیں۔ انھیں اس بات کا پوری طرح احساس ہے کہ اگر مسلم ممالک میں آزادی اور جمہوریت کو فروغ کا موقع ملا اور مسلم قوم کی امنگوں اور آزوں کو بروئے کا رہائے کی کوئی صورت پیدا ہوگی تو پھر مسلمانوں کی تخلیقی قوتیں پروان چڑھیں گی اُن کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوگی انھیں اپنے افکار و نظریات کے مطابق زمام کا رسپنچر لانے کی تربیت ملے گی اور اس طرح وہ مغربی طاقتیوں سے ہر میدان میں مرعوب مغلوب ہونے کے بجائے اس تہذیبی حصہ کو توڑنے کی کوشش کریں گے جس نے اُن پر عرصہ حیات ٹنگ کر رکھا ہے۔

مسلم قوم کو اگر دنیا میں اسلام کے علم بردار کی حیثیت سے زندہ رہنا
ہے تو اس کے لئے یہ بالکل ناگزیر ہے کہ وہ اپنے ہاں آزادی کی فضاقاً مام
کرنے کی کوشش کرے جس میں وہ اپنے آپ کو مغربی یلغار کے مقابلے میں
مختلط ہم اور متحد کر سکے، مغرب کی ریاستیں دو ایسوں کے خلاف رائے عامہ کو ہموار
کر سکے، اپنی کمزوریوں اور خامبوں کی نشان دہی کر کے انھیں دور کرنے کی
مختلف تدبیر سوچ سکے اور پھر ان تدبیر کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں
پوری آزادی کے ساتھ بروئے کار لائے۔ ظاہریات ہے پہ کام کسی ایسے
ماحول میں تو نہیں کیا جا سکتا جس میں قلم پر قدغن اور زبان پر بہرے ہوں
جہاں اجتماعی شعور اور اجتماعی احساس کی تربیت کے ماستوں میں ان گنت
روکا دہیں عامل ہوں؛ جہاں تک عزم کے مطابق زندگی کی تعمیر قریب قریب ناممکن ہو بلکہ
عزم کو کچھٹا اور انھیں مفہمل کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال نہیں جلتے ہوں۔
آزادی کے ثمرات سے جمہوری ماحدی میں پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا
ہے، اُپر اگر کسی قوم کے شعور کی تربیت بھی کر دیں اور اس کے اندر اپنی قولوں
کو اعلام کے دینے ہوئے ضابطہ چیزوں کے مطابق تعمیر و ترقی کی راہ پر لگانے
کا دلولہ بھی پیدا کر دیں، پھر بھی جب تک وہ پُر امن طریق سے اپنی اجتماعی زندگی
کے دھاپنوں کو اپنے دل پسند افکار و فتنریات کے مطابق عملًا تبدیل کرنے کی قدر
نہ رکھتی ہو اس وقت تک اس کا اجتماعی شعور اور احساس کسی لحاظ سے بھی نتیجہ
خیز ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ قوم کے اندر اضمحلال اور مایوسی پھیلانے کا ذریعہ
بتتا ہے۔ وہ عزم اور ارادے جو بالکل پختہ ہو چکے ہیں۔ جنھیں دل و دماغ نے

پوری یک سوئی کے ساتھ قبول کر لیا ہوا درجن کی صحت اور افادیت کے متعلق انسان کو یقین کامل ہو چکا ہو، وہ اگر قومی زندگی میں اچھی طرح بروئے کارنہ آسکیں تو اس سے عوام کے اندر شدید اضطراب پیدا ہوتا ہے جو کسی لحاظ سے بھی کوئی صحت مند علامت نہیں۔

آزادی اور جمہوریت کے معاملے میں ایک چیز ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ انسان کا یہ پیدائشی حق اپنی لذعیت کے اعتبار سے جتنا مقدس اور انسانیت کی فلاح و بہود کے لئے جتنا ضروری ہے، اسی لہبہ سے یہ انسان پر بھاری ذمہ داریاں بھی عائد کرتا ہے۔ یہ حق انسان کی محدود خود مختاری اور اُس کے شرف سے والبته ہے اور اس کا مقصد مخلوق میں انسان کی برتری ثابت کرنا ہے۔ یہ درحقیقت درستوں کے اُس خدشہ کی عملی تردید ہے کہ انسان کو جب بھی آزادی اور شور کی نعمتیں حاصل ہوئیں تو وہ لازمی طور پر دنیا میں شر اور فساد پھیلائے گا۔ باری تعالیٰ نے انسان کو یہ حق عطا کر کے اس کی فطری شرافت پر اعتماد کیا ہے اور اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ وہ فطرت کے اعتبار سے شرارت اور تحریک پسند نہیں اور اُسے اگر اپنی خود مختاری سے فائدے اٹھانے کا موقع دیا گیا تو وہ اسے انسانیت اور کائنات کی برپای کے لئے نہیں بلکہ تعمیر و ترقی کے لئے استعمال کرے گا۔ اس بنا پر انسان کا کوئی قدم بھی نیچے نہیں ہو سکتا جس کے پیچے وقتی ہیجانات کے بجائے تعمیری جنبات کا رفرما نہ ہوں۔ یہ تعمیری جنبہ بات آنے والانہیں ہو جاتے

ان کے لئے افراد اور قوموں کو مسلسل ریاضت کرنا پڑتی ہے تب کہیں جا کر اُن کے طرزِ فکر اور طرزِ عمل میں تعمیر کا پہلو غالب آتا ہے۔

انگریز کی غلامی سے ہماری ملت کو جو شدید نقصانات پہنچے ہیں ان میں ایک نقصان یہ ہے کہ ہم کسی منصوبے کے تحت کوئی مستقل اور مخصوص کام لے کر آگے نہیں بڑھ سکتے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم قومی فلاں و بہادر کا کوئی لمبا منصوبہ تیار نہیں کر سکتے۔ وقتی طور پر قوم پر کوئی صیبیت نازل ہوتی ہے تو ہم مفطر ب ہو کر اس کے تدارک کی فکر کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن جلد ہی ہمارا ولولہ اور ہمارا حوش ٹھنڈا بڑھ جاتا ہے اور ہم تھک ہار کر بیجوہ جاتے ہیں۔ پھرے اس اضھال سے پھر جو چاہتا ہے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ ہماری قوم کے درد مندوں اور بی خواہوں کو اس خامی کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

نعیم صدیقی

سیاسی تبدیلی کا راستہ

بہ تقریب نیشنل کانفرنس میں (منعقد ۵، ۶ فروری ۱۹۶۶ء)

بمقام لاہور ادستور کو جمہوری معیار پلانے کی قرارداد کی
حمایت میں کی گئی تھی بعد میں ضرورت محسوس کی گئی کہ اسے
قلینڈ کر کے شائع بھی کیا جائے اس تقریب کو لکھتے ہوئے میں نے
اس کے بعضاً ہم پہلووں کی تکمیل کر دی ہے جو وقت کی مکملی کی وجہ
سے اس وقت آشنا رہ گئی تھی امید ہے کہ توصیم و اضافہ کے بعد
اس کی افادیت کسی قدر ٹھہر جائے گی۔ نعیم صدیقی
۳ فروری ۱۹۶۶ء

الحمد لله العلی الخیل، والصلوة والسلام علی رسولہ الکریم۔

صدر گرامی قدر، و معزز حاضرین!

میں نے اپنی عمر زندگی میں صد باتیں کی ہوں گی، موچی دروازے میں بھی،
وانی ایم سی اے ہال اور زی این آر سنٹر میں بھی، کالمجوع میں بھی اور مسجدوں میں۔
پر سکون ما حول میں بھی اور ہنگامہ خیز فضای میں بھی۔ قسم قسم کے جلسوں کو میں نے
خطاب کیا ہے۔ مگر آج اس ایسٹچ پر اس مجلس کے سامنے آتے ہوئے جتنا شدید

احترام اور کہرا احساسِ ذمہ داری اپنے اندر پار رہا ہوں "اس کا تجھر پر کسی بھی پہلے نہ ہوا تھا میں ویکھ رہا ہوں کہ یہاں ملک کے وہ رہنماء اور پارٹیوں کی سربراہی کرنے والے دہ سیاسی مدبر تشریف فرمائیں، جن کی بصیرت اور کارناموں اور حذب بات کا میرے اور آپ سب کے دلوں میں انتہائی احترام ہے اور ان رہنماؤں اور مدبروں کی دعوت پر جو سات آٹھ سو مندوں بن ملک کے گوشے گوشے سے آکر اکٹھے ہوئے میں وہ بھی بیشتر ایسے سیاسی دانش ور اور "کارکن لیڈر" ہیں جو اپنے اپنے علقہ ہائے اثر میں بڑا احترام رکھتے ہیں۔ ایسے شستہ و شانستہ اصحاب کے اتنے وسیع ایوان کے سامنے آ کر بات کرنا میرے لئے بڑا بھاری امتحان ہے۔

پھر اس مجلس میں سکون و وقار کا جو ماحول دور و نزے سے مسلسل طاری ہے مجھے اس کا بھی پاس ہے۔ اُنی ہر بڑی تعداد میں آئے ہوئے مندوں بن نے ضبط و نظم کا اعلیٰ معیار قائم رکھتے ہوئے خاصی لمبی نشستوں میں قسم قسم کی گرم تقاریر پڑھنے دل سے سنی ہیں میں نہیں چاہتا کہ میری زبان سے کوئی ایک جملہ بھی ایسا ادا ہو جو سکون و وقار کے قائم قدر ماحول کے منافی ہو۔

اس اعلیٰ مجلس کے احترام کا مجھ پر یہ حق آتا ہے کہ میں یہاں وہ بات کہوں اور ایسے اندازِ بیان میں کہوں جو اس کے شایانِ شان ہو۔ یہ شاید اس شانستہ ایوان کی تو ہیں ہو گی کہ میں یہاں کچھ تیز و تند بارودی الفاظ اچھا لدؤں یا چند خند باتی جملوں کی آتش بازی دکھاؤں:

بالیقین میرے پاس ایسے الفاظ کا ذخیرہ اور ایسے جملوں کا سرما یہ موجود ہے اور ادب اور خطاب کے مختلف اسالیب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی کچھ حصہ

عطافرما یا ہے۔ مگر میرا صمیر ادب و خطابت کے کرنے کے دلکھار محض داد و صول کرنے اور
ٹالیاں پڑوایلنے سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہاں ہم تقریروں کا جوش اور خطابت کی بیمار و کھانے
کے لئے جمع نہیں ہوتے، میں بلکہ آج جب کہ اعلان تاشقند کی وجہ سے ہماری قومی
زندگی کو ایک انتہائی پیچیدہ آزمائش درپیش ہے۔ ہمارا اصل مقصد اجتماع یہ ہے
کہ پورے خلوص سے صحیح معنوں میں مدرانہ انداز سے سوچ، پار کر کے کوئی راہ نجا
تلاش کریں۔ یہاں کل جو خطبہ استقبالیہ پڑھا گیا تھا۔ اس میں تمام شرکاء سے اپل
کی کسی تھی کہ یہاں آپ محض سیاسی پار ہیوں کے لیڈروں اور کارکنوں کی سطح پر رہ لر
نہ سوچیں، بلکہ پوری قوم کو رہنمائی دینے والے مدروں کی طرح سوچیں، میں اگرچہ
ایک جماعت کا کارکن ہوں۔ مگر پھر بھی خطبہ استقبالیہ کی یہ اپل میرے ذہن میں
راسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ اس احساس کے ساتھ میں نے کل اور آج قبیل بھی تقریبیں
سنی ہیں ان میں سے ہر ایک کے انداز سے میں نے تدبیر کے اجزاء، سینئنے کی کوشش
کی ہے اور ہر تقریب سے مجھے ایسے کچھ نہ کچھ اجنار لے ہیں۔ کسی سے کم کمی سندھیارہ
میری دلی تمنا بھی یہی ہے کہ کاش کہ میں نیشنل کانفرنس کے اس سرمایہ تدبیر میں
اضافہ کرنے کے قابل ہو سکوں۔

مجھے جس قرارداد کی تائید کا فریضہ سونپا گیا ہے میری نگاہ میں وہ اعلان تاشقند
کے تجهیزیے کی قرارداد کے بعد سب سے زیادہ اہم قرارداد ہے۔ یہ قرارداد ستور میں
ایسی ترا میم کا تقاضہ کرتی ہے جس سے ہمارا نظام حکومت جمہوری معیار پر آ سکے۔
خصوصیت سے اس میں حق رائے دہی بالغاء اور بلا واسطہ اتنا بات کا مرطا لمبہ

پیش کیا گیا ہے۔

مجھ سے پہلے جن فاضل اصحاب نے بہ ثقیلت محرک و موئد تقاریر کی ہیں۔ انھوں نے قرارداد سے متعلق آئین نکات کی وضاحت بھی کر دی ہے اور ملک کے دستوری تغیرت کی تائیخ بھی بیان کر دی ہے۔ گومیرے پیش روؤں نے میرے حصے کے کام کو آسان کر دیا ہے۔ اب میں اس قرارداد کی اہمیت ایک رُخ سے بیان کرتا ہوں۔

اس قرارداد کا مقصد موجودہ نظام کے اندر تبدیلی کا کھلا جمہوری راستہ نکالنا ہے۔ جو اس وقت موجود نہیں ہے اور یہ ذرا لمبا اور صبر آزمایا کام ہے۔ ہم اس وقت دو ہری مشکل سے دوچار ہیں۔ ایک طرف یہ ضروری ہے کہ ملکی قیادت میں تبدیلی پیدا ہو مگر اس کے لئے جمہوری راستہ پوری طرح کھلا ہوا نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر غیر جمہوری طریقے سے آپ کوئی تبدیلی لاتے ہیں تو اس کے نتیجے میں جمہوری قیادت اور جمہوری نظام میں حصول ممکن نہیں۔ اس راستے سے آپ ایک غیر جمہوری قیادت کے پنجے سے مکمل گھر دوسری غیر جمہوری قیادت کے پنجے میں چلے جائیں گے۔

پس آج نیشنل کانفرنس کے سامنے معاملہ صرف قیادت کی تبدیلی کا نہیں بلکہ تبدیلی کے لئے جمہوری راستہ بنانے کا بھی ہے۔ یہ بڑا مردانگی اور صبر آزمایا کام ہے جس کے لئے گھری بصیرت اور عزم صمیم کی ضرورت ہے میں نے کل اور آج کی بیٹے شمار تھرہ روں میں اس بڑے کام کے لئے رہنمائی تلاش کی ہے اور جھوپیاں پھیلائے کے تصور سے لے کر رسول نافرمانی کے لئے تک بہ نقطہ نظر سے استفادے کی شوش کی ہے مگر اب تک کسی نے تبدیلی کا جمہوری راستہ بنانے کے سلسلے میں کھل کر گفتگو نہیں کی۔

بڑی مشکل یہ ہے کہ کچھے کئی برس سے مسلسل ناخوش گوارحالت سے گذرتے ہوتے ہمارے عوام کے ساتھ ساتھ ہمارا سیاسی لیڈر اور سیاسی کارکن کبھی شدید طور پر متاثر ہوا ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹ اور مایوسیوں سے دوچار ہوتے ہوئے اس کا مزاج ایک طرح سے رومانٹیک (ROMANTIC) ہو گیا ہے اس میں عاشق کا جزو بنتا ہے تو بڑھ گیا مگر کسان کا صبر باقی نہیں رہا۔ یہ باتیں میں آپ سب کے ادب کو برقرار رکھتے ہوئے اور آپ سے دلی محدرت چاہتے ہوئے عرض کر رہا ہوں تاکہ آگے آپ جو کچھ سوچیں ذہن اور ماحدوں کے خالق کو سامنے رکھے کر سوچیں۔

جب کبھی عوام میں کوئی اضطراب روئما ہوتا ہے تو ہمارا سیاسی آدمی یوں سوچتا ہے کہ بس اب اے کسی چورا ہے پر کھڑے ہو کر لغڑا ہو۔ لگادنیا چاہیے۔ اور آنا فانگا دنیا بدلتے گی۔ اس کے خیال میں ایک تقریر، ایک بیان ایک قرارداد ایک سلوگن اس بات کے لئے کافی ہے کہ آدمی میدان میں اُتر جائے بس ساری فومجیے منتظر بیٹھی ہے اور جمہور کے کھٹ کے کھٹ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ آگے آگے وہ پڑھے گا اور پچھے پچھے عوامی سیلا ب ہو گا، جن کی موجیں اس پہاڑ کو بہائے جائیں گی۔ جو سامنے حائل کھڑا ہے۔ حالانکہ یہ پہاڑ بڑی لمبی کوئینی کا تقاضا کرتا ہے۔ اور ہمارے سیاسی آدمی میں اب یہ سکت نہیں کہ وہ فریاد بن کر اس لمبی کوئینی کے لئے تیار ہو سکے۔ وہ جادہ مختصر (SHORT-CUT) ڈھونڈتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہو فوراً ہو جائے۔

خانیت کا نہایت ہی غلط تجھیہ ہے جس کی بنا پر ہماری اسی عصر اس طرح کے طرز فکر میں بتلا ہے۔ آپ اگر نبی الواقع کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس پہاڑ کے جنم اور اس کی مضبوطی کا صحیح اندازہ کیجئے جسے آپ ہلا دینا چاہتے ہیں۔ یہ کوئی چھوٹا ساریت کا تودہ نہیں ہے کہ ہوا کے چار جھونکوں سے اڑ جائے گا۔ ایک سنگین د آہستہ و جود ہے۔ مشکم جمہوریت کے جس نظام سے آپ کو ساتھ ہے۔ اس نے آہستہ آہستہ معاشرے کے ایک ایک طبقے اور زندگی کے ایک ایک شعبے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی ہے۔ یہ تو آپ کو ہلکی سی جنبش کا موقع بھی آسانی سے نہیں دیتا۔ کجا یہ کہ آپ علی الاعلان گدالیں لے کر اسے الکھاڑ پھینکیں۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ ممکن ہے وہ بس یہ ہے کہ آپ اگر بلی پتہ ماری اور عرق دیزی کے لئے تیار ہوں تو آپ کو ایک ایک ذرہ ہٹا کر اس میں سے تبدیلی کا جمہوری راستہ نکالنا ہو گا۔ وس کروں اسالوں کی قوم اگر شعور و احساس سے کام لے کر دس کرو چینیوں کی طرح اس پہاڑ میں سے آر پار ایک بل کھو دیئے میں لگ جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو۔ مگر چینیوں کی سی محنت و کاوش کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ بلی کوہ کنی سے ہر کوئی بھاگتا ہے۔ جو بھی سوچتا ہے وہ بس یہی سوچتا ہے کہ کسی طرح بڑھ کر ایک ٹکڑا گئے اور یہ کوہ گراں ریزہ ہو کر رہ جائے۔ نتیجہ یہ کہ کئی برس سے پہ کوہ گراں اپنی جگہ جوں کا توں قائم ہے۔

یا سی آدمی جس فراریت میں بتلا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اس بھاری اور و پسکے کام کو مختصر شکل دینے کے لئے یوں سوچتا ہے کہ سارا معاشرہ فرد واحد کی تبدیلی کا ہے۔ حالانکہ اصل خرابی مشکم جمہوریت کے نظام میں ہے۔ جو سارے

کے سارے اختیارات فرد واحد کے ہاتھوں میں مرکز کروتیا ہے۔ ایک "فرد واحد" جب بھی کسی غیر جمہوری طریقے سے ہے گا۔ تو کوئی دوسرے "فرد واحد" اس کی جگہ لے گا۔ اور سارے کے سارے اختیارات نے "فرد واحد" کے ہاتھوں میں جمع ہوئی گے۔ معاملہ فلاں فرد یا فلاں فرد کا نہیں، نوعیت نظام کا ہے۔ اور نظام کو جمہوری طریقے سے تبدیل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں سے جمہوری تبدیلی کا راستہ نکالا جائے۔ اسی غرض کے لئے وہ قرارداد لائی گئی ہے جس کی میں تائید کر رہا ہو۔ نگاہوں کو فرد واحد تک محدود نہ کیجئے بلکہ پورے نظام آہنی کو سامنے رکھئے۔

ہمارے سیاسی ادمی کے رد مالوی زاویہ نگاہ کی دوسرا کمزوری یہ ہے کہ اس نے اپنی قوت کا غلط اندازہ قائم کر لیا ہے۔ آپ خود ہی ذرا جائزہ لیں کہ آپ کے پاس قوت کا رکونی ہے اور کتنی؟ آپ کہیں گے کہ جمہور ہماری قوت ہیں۔ جو دس کروڑ کی تعداد میں ہیں اور ان کی غالب اکثریت حالات سے غیر مطمئن ہے۔ لہذا ہمارے ساتھ ہے۔ آپ اپنے جمہور کی تحسین کرتے ہوئے بجا طور پر یہ بھی کہیں گے۔ بہ وہی جمہور ہیں۔ جنہوں نے دو بڑی طاقتیوں سے لڑ کر تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہم کیا رکھا۔ اور پھر یہ وہی جمہور ہیں۔ جنہوں نے حالیہ دور جہاد میں اپنی بہترین صلاحیتوں کو کام میں لا کر دشمن کا منہ پھیر لئے میں بھاری پاٹ ادا کیا ہے۔ آپ نے درست کہا۔ خود میرا القین بھی یہی ہے کہ کسی بھی سیاسی اقدام کے لئے جمہوری سرمایہ قوت ہوتے ہیں۔ اور خدا کے فضل سے ہمارے جمہور میں بڑی اچھی صلاحیت موجود ہیں۔

مگر اس سے آگے ایک بات اور ہے۔ جسے آپ اپنی سوچ بچار میں نظر انداز کر جاتے ہیں۔ وہ بات میرے ایک پیش ور مقرر دوست نے ابھی ابھی آپ کے سامنے کہی تھی کہ جمہور میں صلاحیتیں خوابیدہ پڑی ہوتی ہیں۔ انھیں جگانے اور مہر علی لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے پہلے ایک بات قائد اعظم نے اپنے جمہور کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جگا کر منظم تحریک میں دھالا تھا۔ دور جہاد کا تجربہ درا مختلف نویت کا ہے۔ کیونکہ دشمن کے ناگہانی حملے نے یک بیک عوام کو جنوبی داودی اور وہ ایک فندری جذباتی ایجاد کے ساتھ قوم کی زندگی اور رہوت کی جنگ لڑانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ تجربہ سیاسی نویت کا نہیں ہے۔ سیاسی نویت کا قریب ترین مکمل تجربہ ہمارے سامنے تحریک پاکستان ہی کا ہے۔ مگر کچھ یاد ہے آپ کو، قائد اعظم نے عوام کی صلاحیتوں کو جگانے، ان کو سیاسی شعور دلانے، ان کو مسلم بیگ کے جنڈے تسلی منظم کرنے اور پھر اپنی محتاط کمانڈ کا پابند بنانے کے لئے کتنے جتنا کرنے۔ کتنی بلی محنث اور تگ روکی۔ یوں سمجھئے کہ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۴۹ء تک متواتر بارہ سال تک وہ سیاسی "ہجم جو" دیوانہ دار اپنے کام میں لگا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے پوری قوم دیا اس کی بھاری اکثریت، کو اپنے نقشِ قدم پر چلا لیا۔ اسی بلی، ٹھوس اور چنڈے کام کا۔ ذکر کسی ہنگامی معرکے کا نتیجہ پاکستان تھا۔ بخلاف اس کے ہم مسلمانوں نے جب بھی جمہور کی صلاحیتیں بیدار کرنے کے لئے ٹھوس اور چنڈے کام سے کافی کاٹ کر طوفانی تحریکات اٹھائی ہیں۔ ہمیشہ وہ اپنے منتعین مرکزی مقصد کے حصول میں ناکام رہی ہیں۔ اپنی قومی سرگزشت میں سے کشمیر ایجی ڈسٹریشن شہید گنج اور تحریک ختم بنت کے لاواب نگاہوں میں تازہ کر رہے۔

دوسری طرف قائد اعظم نے جمہور کی تنظیمی قوت کے بل پر کسی طوفانی اقدام کے بغیر خالص آئینی جدوجہد سے اتنی بڑی بازی مار لی کہ آج بھی حیرت ہوتی ہے کہ یہ تجھ کیسے ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنے عوام کو سیاسی شعور دلانے کے لئے، ان کو منظم کرنے کے لئے اور ان کو مضبوط کردار سے آراستہ کرنے کے لئے پچھلے بارہ برس میں کتنا کام کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے سیاسی لیڈر اور کارکن بر سوں سے اپنا رشتہ عوام سے منقطع کئے بیٹھے ہیں۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو گلیوں اور کوچوں میں جا کر، معاشرے کی گہرائیوں میں اتزکر عام آدمی سے ملتے ہوں۔ اسے سیاسی تعلیم و پینے کے لئے اس سے بحث و گفتگو کرتے ہوں۔ اور پھر اسے منظم کرنے کی کوشش کرتے ہوں۔ محض تقریروں سے عوام ایک سیاسی قوت نہیں بن سکتے۔ جسے آپ استعمال میں لا سکیں۔ اور تقریریں تو اب کرنے کا کوئی موقع ہی آپ کو یہ مستحکم جمہورت نہیں دیتی۔ اور نہ اخبارات اور پریس آپ کے خیالات کو من و عن عوام تک پہنچانے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ اندر میں حالات سیاسی کام کا سارا ادارہ مدار عوام سے آپ کے شخصی رابطہ پر ہے۔ مگر آپ کی عظیم تر مصروفیات آپ کے قیمتی وقت اور قولوں کا کوئی حصہ عوام کے لئے باقی رہنے ہی نہیں دیتیں۔

آپ عوام کو بہ حیثیت سیاسی قوت کے تیار کرنے کا کام کئے بغیر جب یہ تصور باندھتے ہیں کہ عوام بہت بڑی قوت ہیں۔ اور وہ آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اور فقط ایک لغرے کی دیر ہے تو آپ بہت بڑی فکری لغزش کھاتے ہیں۔ کم از کم اس وقت عوام اپنی نہایت اچھی صلاحیتوں کے باوجود آپ

کے کام آئنے والی منظم سیاسی قوت ہرگز نہیں ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ گردشِ روزگار کے کرنے والے دیکھ دیکھ کر بھی وہ مصطفیٰ ہوتے ہیں۔ کبھی جوش میں آتے ہیں کبھی مالیوں میں ڈوب جاتے ہیں۔ کبھی وہ آپ سے تقاضا کرتے ہیں کہ جلد کوئی اقدام ہونا چاہئے۔ مگر دوسری طرف آپ کی کوتاہی کا رکنا میتھہ یہ بھی ہے کہ آپ کہتے اٹھا کر کسی ایجی ٹیشن کے لئے اگر نخل کھڑے ہوں تو وہ مرٹک کے کنارے نکھڑے ہو کر اس تماشے کو بڑی دلچسپی سے دیکھیں گے۔ یہاں تک کہ آپ پر اگر لاٹھیاں برس جائیں، یا گولی چل جائے تو وہ آپ کی ہمدردی میں پچے دل سے چار آنزو بھی بھاڑیں گے۔ اور آپ پر زیادتی کرنے والوں کو مغلظات بھی سنا نہیں گے۔ لیکن یہ امید رکھنا کہ وہ جو حق در جو حق آپ کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ محض ایک سیاسی رومنیزت پسندانہ تصور ہے اور کچھ نہیں۔

میری اور آپ کی کوتاہی کا رگی وجہ سے عوام کے سیاسی شعور کا حال یہ ہے کہ برسوں کی جان پہچانی معتقد ترین شخصیتوں کے خلاف اگر پر و پیکنڈہ کامیال فحاذ گستاخی بے سرو پاشوشہ چھوڑ دے بڑی آسانی سے وہ اُس کا شکار ہو سکتے ہیں اعلانِ تاشقند ہی کے ردِ عمل کو لیجئے۔ اس میں شک نہیں کہ شروع سے اب تک قوم کی سمجھاری اکثریت اس سے غیر مطمئن ہے۔ لیکن صائمہ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ کاری ریڈ یو ٹیلی ویژن اور ٹریسٹ کے اخبارات میں پچے در پے ذر ار، سرکاری اصحاب اور درباری خوشاہیوں کے جو بیانات، تقریبیں اور معنایں شائع ہوئے ہیں ان سے عوام کا ایک عنصر بہر حال متاثر ہوا ہے۔ اور یہ جانے کے باوجود ہوا ہے کہ سرکاری محاڈوپر کیسے کیسے مردانہ کار لائے گئے ہیں۔ یہ مسئلہ کشمیر کے حل کی راہ

نکل آئی ہے" اور "اعلان تاشقند اس کی طرف پہلا قدم ہے" جیسے فردوں کا جادو مختلف زبانوں سے دھرائے جانے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ ضرور چلا ہے۔ موجود یہ دل فریب جملے معمولی استدلال کی کسوٹی پر بھی پورے نہیں اترتے۔

پھر میری اور آپ کی کوتاہی کار کی وجہ سے ان کے سیاسی کردار کا معیار یہ ہے کہ اگر انتخابات آتے ہیں تو وہ دو دور دپے پر ووٹ بجتے اور بھیڑ بکریوں کی طرح ایک سے دوسرے گئے میں جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ اگر کسی ایجی ٹیشن میں حلی جاتے ہیں تو جلد ہی معافیاں مانگ مانگ کر جان چھڑا آتے ہیں۔ عام سیاسی کردار کا اندازہ اس بات سے پہچنے کہ بھرے لاہور میں کوئی پریس والا ایسا آپ کو نہیں مل سکا۔ جو پوزریشن لیڈروں کا مشترکہ بیان چھاپنے کی جرأت کر سکتا۔ کون سا اخبار ایسا تھا رآناؤ پریس نگی خدمات کی تحریل سے قدر کرتے ہوئے، جو اس بیان کو یا نیشنل کانفرنس کی کارروائی کو چھاپ کر اپنے وجود کو سولی پر چڑھا سکتا۔ پھر خدا بھلا کرے چوہدری محمد علی صاحب جیسے واجب الاحترام بزرگ کا کجنھوں نے نیشنل کانفرنس کے انعقاد کے لئے اپنی کوئی بے خوف و خطر پیش کر دی۔ درنہ تباہی کے لئے لاہور میں کتنے کوئی ٹھیک وائے ایسے آپ کو مل سکتے ہیں۔ جو نیشنل کانفرنس کے لئے اپنے دروازے کھول سکتے۔ اسی طرح کسی کو اپنی ٹرانسپورٹ کا فکر ہے۔ کسی کو اپنی نوکری کا خیال ہے۔ کسی کو اپنے لائنس یا پرمنٹ کا سچاو کرنا ہے۔ غرضیک جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے یعنی سے لگائے ہوئے ہے" اور دوسروں قومی مقاصد کے لئے وہ ان کی تربیتی دینے پر تیار نہیں ہے۔

عوام کا کردار بناتے ہیں کہ بڑی عظیم قوت تیار ہر تیار رکھی ہے

بس فرما یک بلبی دبادینے کی دیر ہے۔ ہمارے سپا سی آدمی کا ایک خونناک مخالفت ہے۔ عوام کا کردار بنانے کے لئے ضروری ہے کہ انھیں تنظیم میں پروگرام ساختے لیا جائے اور برسوں عملی جدوجہد اور مختلف خدمات اور سرگرمیوں میں شریک رکھ کر ان کی تربیت کی جائے۔

مشکل یہ ہے کہ ہمارے جمہور احساسات و خوبیات تو بہت رکھتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے آپ کو کسی بھی تنظیم کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ آپ میں سے جو اصحاب پارٹیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ خود ہی حساب لگالیں کہ ان کے جماعتی نظم میں شریک ہونے والے عوام کی تعداد کتنی ہے اور کچھریہ خود ہی اندازہ فرمائیں کہ جملہ پوزیشن پارٹیوں کے نظم میں پرتو ہوئے افراد کا تناسب ملک کی آبادی میں کیا ہے۔

خوب سمجھو لیجئے کہ ہمارے آس پاس یہ ایک بھاری کمزوری موجود ہے کہ بہت سے لوگ آپ کو بڑھاؤا بھی دے سکتے ہیں۔ آپ کی تحسین بھی کر سکتے ہیں۔ آپ کے نظریات اور پوگراموں کی تائید بھی کر سکتے ہیں۔ مگر وہ آپ کے نظم کا جوا اپنی گردئوں پر اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور اس کو تابی کے اصل ذمہ دار ہم ہی لوگ ہیں۔ خود ہمارا حال یہ ہے کہ ہم تعلیم یافتہ اور باشمور ہونے کے باوجود اپنی روزمرہ زندگیوں میں محلوں میں، دفاتر میں، سڑکوں پر اور مجالس میں ڈسپلن قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ طے شدہ اصولوں اور ضابطوں کو توڑتے ہیں اور جو پابندیاں ہم پر عائد ہوتی ہیں، ان سے کھلمن کھلا بغاوت

کرتے ہیں۔ خود اس کا نفر لش میں، جو آج ملک کے معاشر ترین لوگوں کا معاشر ترین
الیوان ہے۔ مجموعی نظم و ضبط کے باوجود اہم لوگوں نے کتنے ہی اصول و ضوابط کو ظرا
ہے۔ صرف دو روز کی محدود رفتار کے لئے اتنے اعلیٰ درجہ کا شستہ و شاستہ
مجموع بھی نیشنل کانفرنس کے فاعیان، سربراہانِ قوم اور سمجھیکس کمیٹی کے فیصلوں
اور مذایات اور پروگرام کی پوری پوری پابندی نہیں کر سکا ہے۔ درایہ بنا یتے کہ
و درجن مقررہن میں سے کتنے تھے جنہوں نے اپنی تقاریر مانڈل کے مقرہ وقت کے
اندر کامل کرنے کا پورا اہتمام کیا یا کتنے تھے جنہوں نے ایسچ سکریٹری کی طرف سے وقت کے خاتمے
کی اطلاع ملنے پر فوراً ایسچ چھوڑ دیا ہوا یہی مثالیں بھی ہیں کہ بعض تقریریں پوسٹ آرڈر لفظی تک
طول کھنچ کر پھر بجا پے عوام آپ سے پابندی نظم کی کیا تو قع کرتے ہیں۔ ہمارے عوام اپنی صلاحیتوں
کے لحاظ سے اتنے اچھے درجے کے ہیں کہ ان کا ضمیر اگر پکارے تو وہ بلال ماملہ یعنی
پر گولی کھانے کے لئے تکھڑے ہوتے ہیں مگر ان کی تربیت میں جو کونٹا ہی ہم تھے
و کھانی ہے اس کی وجہ سے ان میں یہ کمزوری بھی ساتھ ہی ساتھ موجود ہے کہ
وہ چھوٹی سے چھوٹی پابندیاں ایک ہفتے کے لئے بھی گوارا نہیں کر سکتے۔

میرا مقصد یا اس آفسنگی، یا حوصلہ شکنی نہیں ہے بلکہ حقائق کا تسلیم
جاائزہ لینا ہے۔ تاکہ ہم اپنے گرال بار فرانس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکیں۔
یا سی زندگی میں ضبط و نظم کی اہمیت کا اندازہ اس مقابل سے کیجئے کہ بھائی
طاقت کو جب آپ نے تاروں کا پابند کر کے ایک منظم روکی شکل دے لی تو اس
کا فرعی نتیجہ یہ ہے کہ یہ ثقہ روشن ہیں۔ لیکن یہی بھائی جب تاروں کی پابندی
قبول نہیں کرتی اور ایک روکی شکل اختیار نہیں کرتی تو تباہی پھیلا دیتی ہے۔

یہی حال بھاپ پر کا ہے۔ آپ کہیں گے کہ بھاپ بڑی بھاری طاقت ہے اور اس سے بیش قیمت خدمات لی جاسکتی ہیں۔ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ سہر زر با درجی خانوں کی ہاندلوں اور دیگوں سے کتنی بڑی مقدار میں بھاپ خارج ہوتی ہے۔ مگر اس سے کوئی کر شتمہ رونما نہیں ہوتا۔ بھاپ مفید قوت اُس وقت بتی ہے جب آپ ایک خاص طرح کا بلواء ملے اور مشینیری بناؤ رہے باقاعدہ مسخر کریں۔ اور اس پر اتنا قابل ہیں کہ آپ جب چاہیں وباکرا سے حرکت میں لے آئیں اور جب چاہیں بریک لگا کر اس کے عمل کو روک دیں۔ یہ سارا کام کئے بغیر اگر محض ہاندلوں اور دیگوں سے لٹکتی بھاپ کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ ہمارے پاس بڑی عظیم طاقت موجود ہے۔ جس سے دنیا زیر وزیر کی جاسکتی ہے تو یہ خوش فہمی آپ کے لئے سخت پریشانی کا باعث ہوگی۔ پہلے مشینیری تیار کیجئے اور جمہور کے خدبات کی بھاپ کو اس کے اندر مسخر کیجئے اور پھر کہیجئے کہ آپ کے پاس قوت تیار ہے۔

گاندھی جی کی سول نافرمانی کی کامیابی کا راز کیا تھا؟ یہی کہ ملک کے ایک سرستے دوسرے سرستے تک ساری کی ساری ہندو قوم مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سمیت کڑے دسپلن میں کسی ہوئی تھی۔ ایک طرف مسلسل کام کر کے عوام کو پختہ سیاسی شعور سے آراستہ کر دیا گیا تھا۔ اور دوسری طرف گاندھی جی کی لیڈر شب اتنی حادی تھی کہ پڑے سے بڑا ہندو لیڈر گاندھی سے اختلاف رکھنے کے باوجود خاتمه کلام اس پر کرتا تھا۔ کہ بالپوجی نے جو میصلہ کر دیا وہی چلے گا۔ یا یہ کہ فلاں بات اس لئے نہیں کی جاسکتی کہ بالپوجی نہیں مانتے۔ یہاں تک کہ ہندو قوم نے اُن کو مہاتما کا مرتبہ دے دیا۔ وہ جب سول نافرمانی کا اعلان کر دیتے تھے تو

پشاور سے راس کماری تک کانگریس کی ساری مشینیری یا کدم حرکت میں جاتی تھی اور وہ مشینیری ایسی کسی ہوتی تھی کہ جہاں تک قدم بڑھائے کا اون ہائی کمان کی طرف سے ہوتا تھا اس سے آگے عوام ایک اپنے نہیں بڑھتے تھے اس مشینیری کے نئے عدم تشدد کا اصول ایک مضبوط بڑیک بنا دیا گیا تھا۔ چنانچہ کانگریسی کا رکن لاٹھیاں کھاتے، گرفتاریاں دیتے پولیس کے بولڈن کی ضربیں سہتے تھے۔ مگر کبھی اشتھاں میں آکر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ عدم ادائیگی محصول کی تحریک پلی، تو گاؤں کے گاؤں ایسے تھے جہاں کسالوں کے گھر اور مولیشی ان کی آنکھوں کے سامنے چار چار آنے میں نیلام کئے گئے مگر زتوان میں سے کوئی اپنے ساتھیوں کی املاک کی لوٹ سے فائدہ اکھانے کے نئے ان پر بولی دیتا تھا۔ رباہر سے آتے ہوئے سرکاری ملازمین ہی بولیاں دیتے تھے، اور نہ اپنی بر بادی پر پیچ دتا بکھا کر اس کا ررواہی میں مراحم ہوتا۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنے کسی بڑے سے بڑے صاحبِ بصیرت و کردار لیڈر کے نئے بھی اتنا احترام و اعتماد نہیں رکھتے کہ وہ دین و ملت کے مفاد کے نئے ایک حکم دے تو کسی چون و چراکے بغیر لاکھوں آدمی اس کی تعمیل کے نئے اُٹھ کر بڑے ہوں اور اگر وہ چلتے ہوئے کارروائی کو کسی خاص حد پر روک دے تو بڑھتے ہوئے قدم رُک جائیں۔ ایک لیڈر تو کیا اپوزیشن کی متحده لیڈر شپ جو ملک کی چند بہترین شخصیتوں پر مشتمل ہے اُن پر اعتماد کر کے اُن کی مشترکہ کمان کے تحت جادہ فرض پر گام زن ہو سکنے والوں کی تعداد ملک بھر میں کتنی ہو گی۔ اس کا اندازہ آپ خود ہی فرمائیں

پس آج کرنے کا کام پڑھتے کہ آپ کو جتنی بھی ہملت ہے۔ وہ ایک ماہ ہوا۔ ایک سال آپ ملک گیر منظم اور تربیت یافتہ عوامی طاقت پیدا کرنے کے لئے، گھر سے اور مشکل کام میں لگ جائیں۔ تبدیلی کا جمہوری راستہ بنانے کے ساتھ ساتھ تبدیلی لانے اور تعمیری اور جمہوری تبدیلی لانے کے لئے منظم اور عوامی طاقت ہماری سب سیکھڑی ضرورت ہے اس ضرورت کو پورا کئے بغیر تجز و تند پروگراموں کی باقی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ فرض سے فرار کر کے روانی طرز فکر سے کوئی ایسا جادہ ختم نہ ہونا ڈلتے ہیں جس میں ہمینکے پھٹکری لگے بغیر ناگ چوکھا آئے۔ مگر تاریخ کی نگری اندھی نگری نہیں ہے۔ اس کے اعلیٰ قوانینِ محنت و کاوش کا خراج ٹھیک بغیر کبھی کوئی نتیجہ نہیں دیتے۔ یہاں تو جتنا بڑا نتیجہ لینا ہوا تھی ہی بڑی سی پیش کرنی پڑتی ہے۔ بہ خوابوں کا جز پر ہے نہیں ہے۔ جہاں آپ ایک منتر پڑھیں اور پریاں آسمان سے اُڑ کر آپ کے لئے تخت بھیادیں۔ سنجیدہ سیاسی کارکن خوابوں کے جز پر ہے میں نہیں رہتا، وہ حقائق کی اس طوسی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں فرہاد کی محنت اور کرکن کا سبھر پیش کئے بغیر نہ کوئی جوئے شیر لہائی جا سکتی ہے اور نہ کسی باغ سے کوئی تازہ بھسل اتارا جا سکتا ہے۔

عوام کی تنظیم و تربیت کا فرض ادا کے سنجیدہ اگر آپ کسی مرحلے میں محفوظ عوام کی خوبیاتی فضا کو اپنے لئے مفید پاکر کوئی ظرفانی اقدام کر دیں تو وہ اُنہاں امراء جمہوریتی ہی کے حق میں مفید ہے گا۔ ایک سخت گیر نظام کو تو صبر و تشدید کے لئے بہاء الدین درکار ہوتے ہیں۔ ایسے حال میں اگر عقل کو محو تماشا سے لبکش باہم جھپٹ کر حضرت عشق بے خطر آگ میں کو دپڑیں۔ تو یہ آگ آپ کے حرب نشا گلزار میں تو کیا بد لے گی

آپ کی فرasi جنش متناہ ہونے پر اسیج کے ساتھ ساتھ پریس بھی آپ کے لئے بند ہو جائے گا اور فرائع پیام رسانی میں بھی رہنمی ہونے لگے گی۔ اور آپ نے جو مشنیری بھی بٹاتی ہو گی اسے توڑ والا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے پچھے آنے والے عوام کو فراخ ولی سے تشدید کا لشانہ بنایا جائے گا۔ یہاں تک کہ خوف اور مالیوسی کی ایسی فضما مسلط ہو جائے گی جس سے نجات پاتنے میں پھر کمی برس لگ جائیں۔ آخریت کا طول عمر بڑھائے میں غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ عوام کے جو شیلے ہنگامے اتنے مدد ہوتے ہیں کہ بعض ماہرین آخرین تحولاتے تھوڑے وقفے پر عوام کو اشتعال دلا کر اور ان میں اپنے گماشے چھوڑ کر خود ان سے محظوظاً نہ اقدام کر ستے رہتے ہیں۔ خدا را آپ ایسے محظوظاً نہ اقدام کے لئے اپنی خدمات حضرات کارانہ طور پر پیش کر کے آخریت کے ہاتھ مضمبو طانہ کریں۔

میں اپنے ان دلائل کے ساتھ ترمیح و مستور کی قرارداد کی پُر فروختی کا تبید کرتا ہوں۔ اور اس قرارداد کو بے حد اہمیت دیتا ہوں کہ اسی کو منوانے سے تبدیلی کا جمہوری راستہ کھل سکتا ہے۔ اور صرف جمہوری اور آئندی راستے سے آئی ہوئی تبدیلی ای ہمیں بہتر جمہوری نظام دے سکتی ہے۔ اس قرارداد میں جو طرز فکر و حب بن کر کام کر رہے اسے چھوڑ کر اگر کسی دوسرے رخ پر ملک کے کسی جو شیلے عنصر نے کوئی طوفانی اقدام کر ڈالا تو اس کی کامیابی کی صورت میں کوئی "نامعلوم" غیر جمہوری تبادلہ انجھرا ہے گی اور ناکامی کی صورت میں عوام ایک بار پھر خوف اور مالیوسی کی انتحاہ تباہی کیوں میں ڈوب جائیں گے۔ آپ کی جماعتیں اور آپ کے گرد جمع ہونے والی عوامی طاقت آپ کے ہاتھوں میں قوم کی امانت ہیں اور خدا نخواستہ اگر آپ

ان امانتوں کو غلط طریق سے استعمال کر کے انھیں ضائع کرنے کا موجب ہن ہائی
کونہ صرف یہ کہ آئندہ قوم آپ پر کبھی اعتماد نہ کرے گی۔ بلکہ ان امانتوں کے غلط
استعمال کی جواب دہی خدا کی عدالت میں بھی کرنی ہو گی۔ وہ تمام لوگ جو ہماری
اپتک کی تاریخ میں کسی لیڈر شپ کے فیصلوں سے جیلوں میں گئے ہیں اپنے
اموال والماک یا روزگار سے محروم ہوتے ہیں اور وہ جنہوں نے اپنا خون اور اپنی
جانیں دی ہیں وہ سب خدا کے سامنے اپنے اپنے دور کی لیڈر شپ سے باز پرس
کریں گے کہ کس مقصد کے لئے کس منصوبے کے تحت اور کن اندازوں کے ساتھ
ہمیں استعمال کیا گیا تھا۔ قربانیاں بلاشبہ ہنسی خوشی سے دینی چاہیں۔ اندھے جو
کے طور پر نہیں۔ سیاسی لیڈر اور کارکن کا کام انکھیں بند کر کے اپنا واد جوستے میں^ج
لگا دینا نہیں ہے۔

یہ باتیں — اور کسی قدر ناخوش گوار باتیں — جو میں عرض کر رہا ہوں، اگر
دلائل کی رو سے آپ کی نیگاہوں میں درست قرار پائیں تو قبول یکجئے، اور نہ ٹری
خوشی سے آپ انھیں اپنے پیروں میں پامال کر دیجئے یہ میں صرف اتنا حق چاہتا
کہ میرا خمیر جو کچھ مجھے سمجھا رہا ہے۔ میں اسے ادب و احترام کے ساتھ آپ کی خدمت
میں رکھ سکوں، سو شکر لگزار ہوں کہ آپ نے فرانخ دلی سے مجھے یہ حق دیا۔
اب میری آخری لگزارش بھی سُن یجھے۔

مجھے سخت اندریشہ ہے کہ آپ میں ٹری نعداد ایسے مندو بین کی ہو گی جو
منتظر ہوں گے کہ نشنل کالفرنس میں کوئی بڑا وصال کہ ہونے والا ہے۔ اول تو آپ
کھر سے یہی توقع لے کے چلے ہوں گے اور کچھ بیاں آ کر آپ نے جو تقریبیں سُنیں

ہیں اُن میں سے بیشتر بجائے خود ایک دھماکہ تھیں۔ اس لئے قدرتی طور پر آپ کا یہ خیال ہو گا کہ یہ بڑے بڑے لیڈروں کی سمجھیکش کمیٹی دور و زمینے کا نفر لش کے پس منتظر ہیں سر جھوڑے بھی ہے، ہونہ ہو یہ کوئی ایتمم بھم یا میرا مل تیار کر رہی ہے، جو ابھی تھوڑی دیر میں اسٹیچ پر پھٹے گا۔ یہ کا یک انقلاب کی لہر ہے اس کی ایوان اقتدار میں بھوپال آجائے گا اور اس کے ایک ہی دھماکے سے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے گی۔ بڑے ادب و صادرت کے ساتھ میں صاف صاف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایسا کوئی دھماکہ یہاں ہونے والا نہیں ہے۔ میں اگرچہ سمجھیکش کمیٹی کا رکن نہیں ہوں نہ اس کی کارروائیوں میں مجھے شرکت کرنے کا کوئی موقع ملا ہے اور نہ کچھ زیادہ معلومات رکھتا ہوں مگر جہاں تک میں اپنے محترم قومی سربراہوں کے طرزِ فکر کا اندازہ رکھتا ہوں اور نیشنل کا نفر لش کے مقاصد انعقاد کو جتنا کچھ جانہ ماہو اس بنا پر میری محدودی بھیرت یہی بتاتی ہے کہ ان اکابر کے سامنے دھماکوں کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ یہ سربراہان قوم بھی آپ کے سامنے اسی ٹھوس اور محنت طلب کام کا کوئی تھوڑا پیش کرنے والے ہیں جس پر میں نے گفتگو کی ہے۔

اس نیشنل کا نفر لش کا مقصد میری دلنشت کے مطابق ہم سب کے لئے بھی اور پوری قوم کے لئے بھی ایک ایسا لمحہ فکر یہ ہمیا کرنا ہے جس کے ذریعے ہم سب یہ مجھے لیں کر لئے کتنا بڑا اور بھاری اور صبر طلب کام سامنے ہے اور اس کے لئے کتنی جاں فشائی اور عرق ریزی کی ضرورت ہے۔ اگر یہ کا نفر لش ہمارے لئے ایسا میتھے خیز لمحہ فکر یہ ثابت ہو سکی۔ تو ہم اس سے پورا اطمینان لے کے

اٹھیں گے۔ کہ یہ کافر لش فلادیفیا کافر لش سے بھی زیادہ کامیاب رہی ہے۔ اور انسان مالک ایسا ہی ہو گا۔ لیکن خدا نخواستہ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہمیں ایسی ہی ضریب کوششیں کرنی ہوں گی۔

ان گزار شاست کے ساتھ میں پیش شدہ قرارداد کی پُر زور تا تیر کرتا ہوں۔

پر شکر یہ ماہ محرم ۱۹۶۴ء

مرسلہ روزہ آیت لاہور پاہستہ ائمہ فرمی ۱۹۶۴ء

طابع	اواراء حسن
------	------------

مطہر عجم	سرپر آڑ پیس کراچی
----------	-------------------

سن طباعت	محرم المحرام ۱۳۸۶ھ
----------	--------------------

قیمت	۲۲ پیسے صرف
------	-------------

تعداد	ایک صد
-------	--------

مکتبہ معادیہ بیون ایریا بلا لیاقت آباد۔ کراچی ۱۹

سَوْلَخْ حَضْرَتُ بَابَا فَرِيدُ الدِّينِ كَجْنُونِ شَكَرُ

مولوی و حیدر احمد مسعود
مصنف

سال توں صدی ہجری کے مشہور مولوی بزرگ حضرت بابا فرید الدین کجنون شکرؒ کے
سلسلے کے ایک اجل شیخ تھے۔ وہ خواجہ قطب الدین جنتیار کا کی دبلویؒ کے
مرید و خلیفہ تھے مغربی پاکستان میں حضرت بابا صاحبؒ کے ذریعے اسلام
کی خوب نشر و اشاعت ہوئی۔ بابا فرید الدین کجنون شکرؒ کے حالات ہنایت
حیقیق اور محنت سے مولوی و حیدر احمد مسعود نے لکھے ہیں۔ مصنف
موصوف حضرت بابا صاحبؒ کی اولاد میں ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔
یہ شرقی اور مغربی علوم کے فاضل ہیں۔ علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج ہیں۔
تصوف اور تاریخ تصوف پر ان کی محققانہ نظر ہے۔

اس کتاب میں ہم عصر ناقد کو خاص طور سے پیش نظر کھا گیا ہے۔
اور بابا صاحبؒ کی سیرت کو انسان، مصلح اور خدا پرست کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

دارالكتب جامع مسجد بی ایریا یافت آباد کراچی ۱۹

قابل قدر کتب

تذکرہ زمان لیعنی ان خوش نصیبوں کے حالات جنہوں نے نظام اسلام کے مکمل احیاء کئے جیل کی معنوی
جیل کرام احمد بن حنبل اور ویگر داعیان حق کی یاد رانہ کر دی۔ از پروفیسر خوشیدہ احمد تیمت بن پلاشک کر ۱۰۰
سوانح مولانا مودودی لیعنی مفکر اسلام کی مکمل سوانح حیات جو مولانا کے حالات پر سبک پہلی کتاب
از علی سفیان آفاتی قیمت ۷۵

تذکرہ نفس لیعنی تذکرہ نفس کی حقیقت اور وہ کس طرح پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔

از جانب مولانا میں احسن اصلاحی قیمت: ۱/-

قرآن اور حدیث لیعنی قرآن اور حدیث میں کیا ربط ہے حدیث کو جنت ماننا کیوں ضروری ہے ہنا فرق آ
ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے اس نوع کے سوالات کافی و شافی جواب۔ از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی قیمت: ۵/-

کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟ لیعنی دنیا کے اسلام کے مشاہیر علماء کے فتاویٰ اور جماعت اسلام
کے اکابرین کی فیصلہ کرن تصریحات۔ از عبد الرسیم اثرت مدیر المبڑا لپڈر قیمت: ۱/-

معراج المؤمنین لیعنی نماز کی مکمل تفصیلات رکعات فرائض زوافل کی تعداد کے لئے پر سیر حاصل
از مولانا مولیٰ عابد میاں ڈاصلی قیمت: ۵۰/-

بدعت کیا ہے؟ لیعنی بدعت و معصیت کی رو میں ایک عظیم کتاب جو قرآن و حدیث اور عقائد
منطق کے اٹک دلائل کے ذریعہ صحیح ترین اسلامی عقائد کو واضح کرتی ہے۔ تمام بدعتات کے
شرب کلیم۔ قیمت: ۱۰۰/-

دارالكتب